مقالات

امامت حکمیہ کی حقیقت اور اس کی اقسام

(ماخوذ از "منصب امامت" مؤلفہ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ)

مترجمہ نعیم صدیقی صاحب

(۳)

غرور و کبر بعض لوگ ایسے پائے جاتے ہیں کہ عین ان کی سرشت میں سرکشی اور خود پسندی کا خمیر شامل ہوتا ہے۔ ان کو اپنے منہ میاں مٹھو بننے اور ڈینگیں مارنے اور شیخی بگھارنے میں مزہ آتا ہے۔ اپنی ہستی کو ہمیشہ کچھ غلافوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں، کیونکہ اولاد آدم انھیں میل جول کے قابل نظر نہیں آتی۔ دوسروں کے بڑے سے بڑے کمال کو اپنی کسی ادنیٰ سی خوبی کے مقابلہ میں ہیچ ثابت کر دیں گے، چاہے اپنی خوبی محض ایک سراب تخیل ہو، جیسے حسب و نسب کا غرہ! دوسروں کے ساتھ کسی معاملہ میں برابر ہونا تو ان کے لیے بڑی شرم کی بات ہوتی ہے، اس وجہ سے اپنے ساتھیوں کی تحقیر کو اپنی آبرو شمار کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کے زوال کو اپنی عظمت کا ثبوت قرار دیتے ہیں، نیز دوسروں کے کمالات کو پایۂ اعتبار سے گرا گرا کر اپنی خصوصیات پر اتراتے ہیں۔ بس ان کا منتہائے مقصود فقط یہ ہوتا ہے کہ انھیں افراد انسانی کے درمیان اتنا امتیاز حاصل ہو جائے کہ کوئی ان کی برابری کی جرأت نہ کر سکے۔

اس قسم کا آدمی جب تخت حکومت پر قابض ہو گا تو کبر و نخوت کی داد دینے کے لیے آداب، القاب، چال ڈھال، میل جول، اور دوسرے تمام معاملات میں اپنی ایک امتیازی شان پیدا کرے گا۔ پھر وہ اپنی ذات کے لیے مختلف چیزیں مخصوص کرے گا۔ ان میں کسی دوسرے کی شرکت و مساوات سے بہت رنجیدہ ہو گا بلکہ اس کی قطعی ممانعت کر دے گا۔ وہ جس تخت کو استعمال کرے گا اس پر بیٹھنا دوسروں کے لیے حرام کر دے گا، جس مجلس میں رونق افروز ہو گا اس میں دوسروں کا داخلہ روک دیگا، پھر جو خاص الفاظ اپنے لیے تجویز کر دے گا، مثلاً "سلطان"، "شاہ"، "بادشاہ"، "ملک" اور "حضور اقدس" وغیرہ، ان الفاظ کو اگر خود سلطان کے بیٹے پر بھی کسی نے استعمال کر دیا تو وہ مجرم قرار پائے گا اور شدید تعزیر اس پر عائد ہو گی۔ الغرض ایسے لوگوں کی دلی تمنا یہی ہوتی ہے کہ کسی طرح خدا کے بندوں اور نبی کے امتیوں سے بالکل جدا اور ممتاز سمجھے جائیں کیونکہ انھیں وہ اپنا ہم جنس تسلیم نہیں کرتے اور ہر معاملہ میں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد دوسروں سے الگ ہی بناتے ہیں۔

پھر ان ظالموں کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے قوانین جمہور میں اصول دین اور ضوابط شریعت کا درجہ حاصل کریں اور ہر خاص و عام ان کی پوری اطاعت کرے، نیز ان کے سامنے قیل و قال اور بحث و تمحیص کی کسی کو جرأت نہ ہو۔ گویا خود یہ لوگ احکام الٰہی کے مخاطب ہی نہیں، اور نہ ان احکام کی مخالفت پر انھیں کوئی پوچھنے والا ہے۔ یہ بڑا بننے اور حکم چلانے کی خواہش جلد جلد ترقی کر کے تعلّی کی صورت اختیار کرتی ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ نبوت یا الوہیت کا صاف صاف دعویٰ کر دیا جاتا ہے۔ اب سلطانِ متکبر فراعنہ اور نماردہ کا بھائی بن جاتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کی کوئی صفت ایسی نہیں رہ جاتی جسے یہ ظالم اپنے پروانوں اور حکم ناموں میں اپنی ذات سے منسوب نہ کرے، اور خالق اکبر کے ناموں میں سے کوئی نام ایسا نہیں چھوٹ جاتا جسے یہ جاہل اپنے لقب کے طور پر استعمال نہ کرتا ہو۔ پھر انبیاء و مرسلین کے مدارج میں سے کوئی درجہ ایسا نہیں بچ رہتا کہ یہ دشمنِ دین اس کا مدعی نہ بنے۔ پھر خلفائے راشدین کے مراتب میں سے کوئی رتبہ ایسا نہیں باقی رہتا جس میں یہ شرارت استاد ان کی برابری کا دم نہ بھرتا ہو۔

غرور و کبر کی یہ سلطنت جس طرح پوری امت کے لیے اور پورے دین کے لیے حد درجہ مضر ہے، اسی طرح، بلکہ اس سے ہزار گنا زیادہ خود اس جاہل شیخی باز کے لیے سم قاتل ہے۔ کوئی سلطان اپنی سلطنت سے وہ نقصان نہیں اٹھاتا جو سلطانِ متکبر اپنی سلطنت سے اٹھاتا ہے۔ یہ ظالم اپنی ہستی کو رعایا کا گویا خالق سمجھتا ہے، خصوصاً جب زمانہ اس کا ساتھ دے رہا ہو اور قسمت یاوری کر رہی ہو یعنی دنیا اس کے پنجہ میں بے بس ہو اور کسی کو سرکشی کی جرأت نہ ہو تو اس کا انداز استکبار خوب نمایاں ہو جاتا ہے اور اس کا طرۂ نخوت عرش کو جا چھوتا ہے۔ فرمایا صاحب نبوت نے

اذا مشت امتی المطیطاء وخدمتها ابناء الملوك ابناء فارس والروم سلط الله شرارها علی خیارها

جب میری امت اکڑ کر چلنے لگے گی اور فارس و روم کے شاہزادے اس کی خدمت بجالانے لگیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ امت کے شریر لوگوں کو اس کے نیکوکار بندوں پر مسلط کر دے گا۔

نیز فرمایا:۔

الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحد منهما ادخلته النار

کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار، سو جس کسی نے ان دونوں میں سے کسی چیز کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی اسے میں جہنم میں جھونک دوں گا

اور یہ بھی کہ:۔

اغیظ رجل علی الله یوم القیمة واخبث رجل کان یسمی ملك الاملاك لاملك الا الله

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کو سب سے زیادہ بھڑکانے والا اور بدترین انسان وہ ہو گا جو دنیا میں بادشاہوں کا بادشاہ (شہنشاہ) کہا جاتا تھا۔ اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں۔

پھر یہاں تک کہ:۔

لا یقولن احدکم عبدی و امتی کلکم عبید الله وکل نساء کم اماء الله ولکن لیقل غلامی وجاریتی

تم میں سے کوئی کسی کو "میرا بندہ" یا "میری بندی" نہ کہے۔ تم سب لوگ اللہ کے "بندے" ہو اور تمہاری ساری عورتیں اسی کی "بندیاں"

وفتای وفتاتی ولا یقل العبد ربی ولکن لیقل سیدی وفی روایۃ لا یقل العبد لسیدہ مولای فان مولاکم اللہ

ہیں۔ بلکہ یوں کہے کہ میرا "غلام" اور "میری لونڈی" یا "میرا خادم" اور "میری خادمہ"۔ اسی طرح کوئی غلام اپنے آقا کو "رب" نہ کہے بلکہ "سید" کہہ کر پکارے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا کو مولا نہ کہے کیونکہ تمہارا مولا صرف اللہ ہے۔

سلطنتِ جابرہ کی اقسام سلطنت جابرہ جس کا مفصل بیان اوپر ہو چکا ہے، دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک[1] صورت اس کی یہ ہے کہ سلطانِ جابر اپنی شوخ چشمی اور گستاخی کے باوجود ایمان کی بھی کوئی رمق دل میں رکھتا ہے اور اس سے بعض اعمال صالحہ بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے اعمالِ صالحہ[1] طریقِ مشروع پر منطبق نہیں ہوتے، ورنہ اہل دیانت کے نزدیک ان کو کوئی وزن حاصل ہو سکتا ہے، کیوں کہ وہ ان کی انجام دہی کے لیے اپنا ہی ایک ڈھنگ نکالتا ہے اور اپنی ہی پسند کے مطابق اقدام کرتا ہے۔ لیکن دل میں وہ ان اعمال کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے اور پورے خلوص نیت سے انھیں بجا لاتا ہے۔ مثلاً ہوا و ہوس کی راہ میں جس دریا دلی سے اپنے خزانے لٹاتا ہے اسی کشادہ دلی سے ایک مسجد کی تعمیر پر بھی خرچ کرتا ہے اور اسے سونے چاندی کے نقش و نگار سے خوب مزین کراتا ہے اور اس کو مالی عبادت سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی مسجد بنانا خود اسراف میں داخل ہے اور اسراف شریعت میں صد درجہ مذموم فعل ہے اور اس وجہ سے خدا کے ہاں اس کی مقبولیت کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی، مگر چونکہ سلطان مسرف ہے اور اس کی رائے میں یہی اسراف انفاق فی سبیل اللہ ہے اور اسے سرانجام دیتے ہوئے وہ یہی یقین کرتا ہے کہ ایسے دینی کاموں میں جتنا زیادہ بڑھ چڑھ کے خرچ کروں گا اتنا ہی خدا کے ہاں مقبول ٹھہروں گا۔ ان خیالات کے ماتحت وہ تقرب الی اللہ کے لیے بیش بہا دولت لٹا دیتا ہے۔

دوسری[2] صورت میں سلطان جابر کا دل خوف خدا سے بالکل ہی بے نصیب ہوتا ہے اور وہ اعمال شرعی کو اخلاص سے انجام نہیں دیتا بلکہ کچھ بطور عادت اور کچھ دنیاوی شہرت یا اہل زمانہ پر تفوق کے لیے بعض احکام شریعت کی اطاعت کر لینا اور اس پابندی شرع کو جاہ و جلال کا لازمہ سمجھتا ہے۔ پس صورت اول میں تو سلطان کے اعمال کی ظاہری شکل مردود تھی اور اس کی نیت محمود، مگر اس دوسری صورت میں باہر بھی کھوٹ ہے اور اندر بھی کثافت!

چند ضروری نکات ذیل میں سلطنت جابرہ کے متعلق چند اہم نکات بیان کیے جاتے ہیں جن سے سلطان جابر کی حیثیت کو سمجھنے اور اس کے ساتھ معاملہ کرنے کی حدود کو متعین کرنے میں آسانی ہوگی۔

نکتۂ اول:۔ سلطان جابر کے متعلق یہ تو قطعی ہے کہ وہ خدا کے ہاں تو بالکل مردود و مقہور ہے، لیکن اس کے وجود سے جماعت مومنین کو کسی قدر فائدہ ہوتا ہے اور کفر کو اس کے ذریعے نقصان پہنچتا ہے، مثلاً وہ سلطنت کے قیام کے لیے مسلمان

[1] نیکی اور تقویٰ اور صالحیت حدود شرعی کے باہر کہیں نہیں پائی جاتی۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کی شریعت سے آزاد ہو کر آپ اپنے نیک ارادوں کو جس طرح چاہیں پورا کریں، نہیں بلکہ اسلام کی شریعت سے بے نیاز ہو کر اگر آپ لاکھ تسبیحیں روز پڑھیں اور کروڑوں سجدے دن رات میں کر لیں تو بھی آپ متقی اور صالح نہیں ہیں۔ تصوف نے غلطی اگر کی تو یہی کہ تقویٰ کی راہ کو شریعت اسلام کی حدود و اربعہ سے آزاد کر دیا۔ شاہ صاحب نے موقع پر بات واضح کر دی کہ ایسے "اعمال صالحہ" کو جو طریقۂ مشروع پر منطبق نہ ہوں مومن کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں مل سکتی۔ (ن۔ ص)

اہل دماغ کو وزیر و امیر مقرر کرے گا اور کافر بادشاہوں کی بیخ کنی کی فکر کرے گا۔ یہ ضروری ہے کہ اس مسلم پروری کی اصل علت اتباع دین نہیں ہے اور اس کافرکشی کی وجہ اعلائے کلمۃ اللہ کا ارادہ نہیں ہے، اور اس وجہ سے عاقبت اندیشانہ نقطۂ نظر سے خواہ اسے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا مگر دین اور اہل دین کا کچھ نہ کچھ بھلا ہو ہی جائے گا۔ ایسے سلطان کو "اندھا مشعلچی" یا "خدمتگار قیدی" سمجھنا چاہیے کہ دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے مگر وہ اپنے آپ سے نفع نہیں پا سکتا۔ اس کے نیک کاموں میں حصہ لینے سے انکار نہ کرنا چاہیے اور حتی الوسع اس سے تصادم نہ کرنا چاہیے۔ بس درگاہ الٰہی سے اس کی اصلاح احوال کی دعا کرنی چاہیے اور اس کی طرف سے جو ظلم و تعدی ہو اسے بلائے آسمانی سمجھ کر صبر کر لینا ہی مناسب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ان الله تبارك وتعالى يقول انا الله لا اله الا انا مالك الملوك قلوب الملوك في يدي وان العباد اذا عصوني حولت قلوبهم بالسخط والنقمة فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسكم بالدعاء على الملوك ولكن اشغلوا انفسكم بالذكر والتضرع كي اكفيكم ملوككم

اللہ تبارک و تعالیٰ کہتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، سارے بادشاہوں کا مالک ہوں، ان کے دل میرے ہاتھ میں ہوتے ہیں، جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان بادشاہوں کے قلوب کو غصہ اور غضب کی طرف پھیر دیتا ہوں اور وہ ان کو سخت تکلیفوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ایسے وقت میں تم ان کے حق میں بددعا کرنے نہ جاؤ بلکہ مجھ کو یاد کرنے اور میرے سامنے گڑگڑانے میں مشغول ہو جاؤ تاکہ میں تم کو تمہارے ظالم بادشاہوں سے بچا دوں۔

نکتۂ دوم:- سلطان جابر چونکہ اپنے طور پر یہی سمجھتا ہے کہ وہ مسلمان ہے اس وجہ سے کبھی کبھی حمیت دینی اور غیرت شرعی اسے اعلائے کلمۃ اللہ پر اکسا دیتی ہے۔ ایسی صورت میں دین و شریعت کی شان بڑھتی ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ان الله ليؤيد هذا الدين بالعبد الفاجر

یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو بدکار آدمی کے ذریعہ بھی تقویت بخشے گا۔

خاص ان حالات میں اس کی اعانت و حمایت ارکانِ اسلام میں سے ہے اور یہ اعانت و حمایت گویا نبی صلعم کی سچی خدمت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:-

الجهاد ماض الى يوم القيمة لا يبطله عدل عادل ولا جور جائر

جہاد قیامت تک جاری رہے گا، اس کو نہ تو کسی عادل کا عدل باطل کر سکے گا نہ کسی ظالم کا ظلم۔

نکتۂ سوم:- بلاشک سلطان جابر امر بالمعروف کا محتاج ہے اور اس کے سامنے حق کو واضح کرنا ایک اونچے درجہ کی عبادت ہے، جیسا کہ ارشاد نبوت ہے کہ:-

افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر

سب سے بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے روبرو حق بات کا کہہ دینا ہے۔

لیکن یہ امر بالمعروف ایسے مناسب طریقہ سے ہونا چاہیے کہ نوبت مخالفت اور کشمکش تک نہ پہنچے اور بغاوت نہ برپا ہو جائے کیونکہ امام جابر کے خلاف علم بغاوت اٹھانا جائز نہیں ہے[1]۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے:-

---

[1] یہ ایک نازک مسئلہ ہے مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس میں شاہ صاحب سے اختلاف ممکن ہے، یعنی بغاوت اور "انارکی" کی اجازت شریعت نہیں دیتی مگر مخالفت و منافرت کرنے کی کوئی وجہ نہیں جس کی بے شمار شکلیں ہیں۔ اگر نظام اسلامی تباہ ہو رہا ہو تو اسے ہموار کرنے کے لیے "غیر خونی انقلاب" کا راستہ اختیار کرنے میں کیا حرج ہے۔ (ا ص)

الا من ولی علیه وال فرآه یاتی شیئاً من معصیة الله فلیکره ما یاتی من معصیة الله ولا ینزعن یداً عن طاعته[1]

دیکھو! سن رکھو! جس کسی پر کوئی حاکم مقرر ہوا اور وہ اس حاکم کو کسی معصیت کا مرتکب ہوتا ہوا دیکھے تو چاہیے کہ اس کو برا سمجھے لیکن اس کی اطاعت سے منہ ہرگز نہ موڑے۔

۲- سلطنت ضالہ

سلطنت جابرہ جب زیادہ عمر کی ہو جاتی ہے اور جبر پیشہ سلاطین متواتر ایک ہی طریق جبر و کبر پر نظام اجتماعی کو چلاتے رہتے ہیں تو کارگاہ سلطنت میں دورِ خاتم الانبیاء سے پہلے کا زمانۂ جاہلیت ابھر آتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ خلافت راشدہ اور سلطنت عادلہ کے طور طریقے بھولے بسرے خواب ہو جاتے ہیں اور حکومت و سیاست کے الفاظ بولنے سے یہی سلطنت جابرہ متصور ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں کوئی صاحب ایمان و دیانت نظام حکومت میں حصہ لینے کو طاعت و عبادت شمار نہیں کر سکتا بلکہ الٹا وہ اسے دنیا کی بدترین صورت اور مستی و سرکشی کا سب سے زیادہ رذیل ڈھنگ قرار دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکابر ملت امور سیاسی سے دور دور رہتے ہیں اور سلاطین کی مجالست و مصاحبت سے دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔ ادھر فرعون صفت سلاطین کو چھٹی مل جاتی ہے کہ نفس امارہ کے پیچھے بے روک ٹوک جہاں تک چاہیں بھاگتے چلے جائیں اور نخوت و غرور کی وادی میں ترکتازیاں دکھلاتے رہیں۔ بس پھر ان کی اور ان کے ساتھیوں کی عقلیں فسق و فجور کے تخیلات میں غوطہ زن رہتی ہیں اور ان کے موضوع فکر یہ ہوتے ہیں کہ کس کا مال کس طرح اڑانا ہے، خزانہ کس طرح بھرا جائے، فلاں عامل کو معزول کیونکر کریں، فلاں شخص کو کونسا منصب دیں، رعیت کو کن نئی بندشوں میں جکڑیں، اپنا ٹھاٹھ جمانے اور رعب بٹھانے کے لیے کونسے نئے طریقے اختیار کریں، وغیرہ۔ اس طرح جباری کے اصول و فروع بنتے چلے جاتے ہیں اور پہلے کے کام کو ہر نیا آنے والا چند قدم اور آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ یہ فن مکروہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اب ریاست حکمی کے ہر معاملے سے شرع شریف کی مخالفت ثابت ہوتی ہے اور ہر معاملہ کے لیے دین کے حکم کے مقابلہ میں ایک نیا حکم آموجود ہوتا ہے۔ صاف بات یہ کہ رفتہ رفتہ ملت مصطفوی کے مقابلہ میں ایک نئی ملت پیدا ہو جاتی ہے اور سنت نبوی کے متوازی ایک نئی سنت کھڑی ہو جاتی ہے اور قوانین الٰہی کی جگہ لینے کے لیے قوانین انسانی نمودار ہو جاتے ہیں۔ شرع الٰہی میں جو باتیں حرام ہیں وہ شریعت سلطانی میں واجب ہو جاتی ہیں اور اسی طرح وہاں جو کچھ واجب ہے وہ یہاں ممنوع قرار پاتا ہے۔ مثلاً "شاہ شاہاں" "خداوند جہاں و جہانیاں" "حضور اقدس" "عرش آشیانی" "بندۂ خاص" "پرستار اختصاص" "ظل قدر توام" وغیرہ الفاظ کا استعمال؛ یا امراء کا سر جھکا کر دست بستہ کھڑے ہونا یا رقص و سرود کی مجالس کے ہنگامے یا عید اور جشن وغیرہ مواقع پر ریشمی لباس پہننا اور چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا کھانا یا کفار کی عیدوں مثلاً نوروز، ہولی، دیوالی وغیرہ کی رسوم میں حصہ لینا اور ایسی ہی کتنی حرکتیں اور ہیں جو شریعت اسلامی میں قطعاً حرام ہیں، مگر بادشاہ صاحب کا قانون کہتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنا لازم ہے۔ دوسری طرف "السلام علیکم"

---

[1] اس بحث سے تعلق رکھنے والی حدیثوں کا ذخیرہ اچھی طرح پرکھے جانے کے قابل ہے کیونکہ دورِ فتنہ میں بڑی بڑی کارستانیاں کی گئی ہیں۔ تاہم یہاں جو معصیت پیشہ حاکم کی اطاعت کا حکم ہے وہ اسی حد تک ہے کہ بندہ کی نافرمانی تک نوبت نہ پہنچے۔ اصل نافرمانی کو روکنا ہے، یعنی جب تک بغاوت شرعاً لازم نہ ہو جائے امراء کو صبر سے برداشت کرو لیکن جب شرعاً نظام حکومت بدلنا فرض ہو جائے تو سیدھی طرح تو دیگر حکومت سے ملحق ہوئے "لا تقوی" کی صورت تباہ کن ہے۔ (ن۔ م)

کا جواب[1] دینا، جماعت میں شریک ہونا، خدا کے ادنیٰ بندوں سے مروت و اخلاق سے پیش آنا، ہر مسلمان سے مصافحہ و معانقہ کرنا، وضع دار شرفا کی دعوت قبول کرنا، مسلمان عوام سے ربط رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، خدا پرستوں کی خدمت کرنا، مجالس علم و ذکر کی شرکت کا اہتمام کرنا، کسی قوی یا ضعیف کی مخالفت سے باز رہنا اور اہل حاجت کی غرض سننا وغیرہ امور جو شریعت الٰہی میں واجب العمل ہیں مگر قانون سیاسی انھیں حرام ٹھہراتا ہے۔

اور آگے چلیے۔ تجارت پر زکوٰۃ سے زائد ٹیکس مقرر کر دینا اور دریائی و صحرائی گذر گاہوں اور شہروں کے دروازوں پر مردم آزار ملازمین کو اس غرض کے لیے بٹھا دینا کہ وہ مسافروں کی پکڑ دھکڑ کرتے رہیں اور ان کی تلاشیاں لیں اور ان کے مال میں سے ایک حصہ مار لیں۔ یہ سب خلاف اسلام ہے۔

پھر کتنے جرم ہیں کہ ان کی سزا شریعت ربانی میں کچھ ہے اور آئین سلطانی میں کچھ۔ مثلاً چوری کی حد اسلام میں قطع ید ہے مگر بادشاہی قانون چور کو قتل اور حبس کی سزا دیتا ہے۔ پھر شریعت کے قانون وراثت کی رو سے بادشاہ کے بھائی اس کے ترکہ میں حصہ دار ہیں مگر قانون سلطنت انھیں محروم قرار دیتا ہے۔ پھر پورا بیت المال از روئے شریعت تمام مسلمانوں کا ہے مگر قانوناً بادشاہ اس کا مالک ہے۔

بہر حال یہ قصہ طولانی ہے۔ مدعا تو یہ واضح کرنا ہے کہ شریعت کے مقابلہ میں کس طرح قسم قسم کے احکام و ضوابط سلاطین اور ان کے مشیر گھڑ لاتے ہیں۔ پھر ارکین سلطنت اور وزرائے حکومت میں انہی احکام و ضوابط انسانی کی تعلیم رواج پا جاتی ہے اور اس کے بعد ہر باپ جو اپنی اولاد پر شفقت کا حق ادا کرنا چاہتا ہو اپنے بچوں کے لیے اسی مقبول تعلیم کا انتظام کرتا ہے اور اسی کے ماہرین کو ان کا اتالیق مقرر کرتا ہے[2]۔ لوگ اسی مروجہ سیاست و قانون کی تعلیم کا نام کمال رکھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ پھر خیر خواہان سلطنت جو تحریر و تقریر اور بحث و مباحثہ کے ماہر فن ہوتے ہیں انہی مروجہ فنون پر کتابیں مرتب کرتے ہیں اور اس سرمایۂ خرافات کو منطقی دلائل و شواہد سے بزعم خود صحیح ثابت کر دیتے ہیں جیسے کہ لباس حریر کو حلال کرنے کے لیے ایک مشہور رسالہ لکھا گیا تھا یا جیسے سلاطین کے لیے سجدہ کو جائز قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ اس فن کی جامع کتاب آئین اکبری ہے اور اس کے ساتھ دین الٰہی کے نام سے اکبری مذہب کے اساسی اصول، مذاہب کے دبستان میں محفوظ ہیں۔

---

[1] شاہ صاحب اپنے زمانہ کے قریب کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے اور یہاں بطور مثال جن جن باتوں کا موصوف نے تذکرہ کیا ہے وہ اس دور میں جانی پہچانی باتیں تھیں۔ در اصل اسلام کو جن لوگوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہو یا جس سوسائٹی کی اصلاح منظور ہو اس کے مخصوص حالات اور اس کی مخصوص تاریخ کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام کے اصولوں کی تبلیغ اور کفر کے رسوم کی تردید دونوں کے لیے مثالیں وہ لینی چاہئیں جو لوگوں کے ارد گرد چاروں طرف پھیلی ہوئی ہوں۔ مثلاً آج اگر دعوت حق کا کام کرنا ہے تو حکومت تو مسلمانوں کی ہے نہیں کہ اس کے ضوابط و رسوم پر بحث ہو، آج تو جماعتوں اور اداروں اور خانقاہوں اور مدرسوں کے آئین و دستور پر گفتگو کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ (ن۔ ص)

[2] ذرا آج کل کے "باپ" بھی گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان کا رویہ آج کیا ہے؟ وہی جو اکبر اور محمد شاہ کے دور میں تھا: یعنی جس کمال کی قدر سلطنت کی طرف سے ہو رہی ہو، اسی کو بچوں میں پیدا کرنا ہے، چاہے وہ کمال غلامی ہو یا کمال کفر!

(ن۔ ص)

مختصر یہ کہ یہ سیاستِ سلطانی مذہب اسلام سے الگ ایک مستقل مذہب ہے اور ملت نبوی سے علیحدہ ایک ملت ہے، جیسے کہ ہندوؤں، مجوسیوں وغیرہ کے مستقل مذاہب باطلہ ہیں۔ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ سیاسی مذہب باطل شیعوں اور خارجیوں وغیرہ کے مذاہب کے درجہ میں ہے، جی نہیں! ان فرقوں کے مذاہب باطل سہی، مگر بزعم ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم کتاب وسنت سے اپنا مذہب لیتے ہیں، لیکن یہ گمراہ سلاطین تو اپنے ضوابط کو کتاب وسنت سے ماخوذ ماننے کا لفظی دعویٰ بھی نہیں رکھتے، بلکہ سلطنت کے قیام اور مملکت کے نظم کے لیے فقط اپنی عقل کے فیصلوں پر حکم دیتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے نظامہائے قانون فلسفیانہ مذاہب میں تو گنے جا سکتے ہیں لیکن ملتِ اسلامیہ کے دائرے میں ان کا شمار کسی طرح نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بدراہ سلاطین کے متعلق خبر دے چکے ہیں کہ:-

انما اخاف علی امتی الائمۃ المضلین

مجھ کو جو ڈر ہے وہ یہ کہ میری امت پر گمراہ کن حکمراں مسلط ہو جائیں گے۔

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ:-

قال فقلت یا رسول اللہ ایکون بعد ھذا الخیر شر کما کان قبلہ شر؟ قال نعم، قلت فما العصمۃ؟ قال السیف، قلت وھل بعد السیف بقیۃ؟ قال نعم تکون امارۃ علی اقذاء وھدنۃ علی دخن، قلت ثم ماذا؟ قال ثم ینشأ دعاۃ الضلال

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اس خیر کے بعد پھر شر آئے گا جیسا کہ اس سے پہلے تھا؟ فرمایا "ہاں"۔ میں نے پھر دریافت کیا کہ اس وقت پناہ کس چیز میں ہو گی؟ جواب دیا کہ "تلوار میں"۔ پھر پوچھا کیا اس خونریزی کے بعد بھی کچھ باقی رہ جائے گا؟ ارشاد ہوا "ہاں، ایسی امارت قائم ہو گی جس کی بنیاد میں نیتوں کا فساد اور ارادوں کی کشمکش پوشیدہ ہو گی اور ایسی صلح وآشتی معرض وجود میں آئے گی جس کی تہوں میں اک طوفان ہو گا"۔ میں نے کہا "پھر کیا ہو گا؟" فرمایا "پھر گمراہی کے داعی اٹھیں گے"۔

نیز ارشاد فرمایا:-

تکون فتنۃ عمیاء صماء علیھا دعاۃ علی ابواب النار

ایک اندھا بہرا فتنہ اٹھے گا جس کے داعی آگ کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو اس کی طرف بلائیں گے۔

بلاشبہ اس قسم کے سلاطین کفار اشرار کے گروہ میں سے ہوتے ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، لیکن چونکہ زبان سے اسلام کے مدعی ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان کا کفر ان کے اعلانِ ایمان کے پیچھے مستور رہتا ہے۔ وہ اس ظاہری دعویٰ ہی کی تصدیق کے لیے اسلام کے کچھ طور طریقوں اور رسموں کی پابندی کرتے ہیں، مثلاً نکاح، ختنہ، عیدین پر اظہارِ زینت، مسلمانوں کی طرح مردوں کی تجہیز وتکفین اور نمازِ جنازہ اور قبروں میں دفنانے کا اہتمام وغیرہ۔ الغرض شریعت کا دامن صاف طرح سے چھوڑ نہیں دیتے۔ لیکن اپنے سلطانی دین وآئین ہی کو، اپنے لیے اور اپنے خدم وحشم کے لیے واجب العمل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے خاص محاورات وضع کرتے ہیں جن میں شریعت اور آئین سلطانی دونوں کے ضوابط گڈمڈ ہو سکیں، مثلاً کہتے ہیں کہ اصل قانون تو شریعت کا قانون ہے مگر میدانِ سیاست میں شریعت کے ساتھ "طورہ" کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس "طورہ" سے مراد ہوتا ہے چنگیز خانی قانون۔ سو عملی کفر کے ساتھ یہ جو اسلام کا لیبل برقرار رکھا جاتا ہے یہ بظاہر شریعت کی رو سے انھیں مسلمانوں کا ایک فرد بنائے رکھتا ہے۔ آخرت میں مواخذہ کے لیے یقیناً ان کا کفر محض کافی ہے لیکن دنیا میں ان سے مسلمانوں کا سامنا

کیا جائے گا۔ خواہ وہ قیامت میں کفار اشرار کے ساتھ دوزخ کی گہرائیوں میں دائماً جلنے والے ہوں یا رحمت الٰہی انھیں عذاب سے پہلے یا عذاب کے بعد بخش دے، ہمیں اس سے بحث نہیں، یہ معاد کا معاملہ ہے جو خدا کے سپرد ہے البتہ امور معاش میں ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

فی الجملہ جب سلطنت جابرہ بگڑ کر سلطنت ضلالت بن جاتی ہے تو اس کا قدم فسق و ظلم کی سرحد سے آگے بدعت و ضلالت کی وادی میں جا داخل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے سلاطین مضلین کی حیثیت وہی ہے جو مختلف بدعتی فرقوں سے باطلہ کی ہے اور جیسا اختلاف مبتدعین کی تکفیر و عدم تکفیر میں پیدا ہوا ہے ویسا ہی اختلاف سلاطین مضلین کی تکفیر و عدم تکفیر کے مسئلہ میں بھی ہے۔ ایسے موقع پر احتیاط لازم ہے اور کوئی فیصلہ دینے میں تامل کرنا چاہیے۔

سلاطین مضلین کی دو قسمیں سلاطین مضلین کی بھی دو قسمیں ہیں، ان میں سے کچھ تو متمردین ہوتے ہیں اور کچھ مقادین۔ اس تقسیم کی حقیقت یہ ہے کہ آئین سلطانی جب سوسائٹی میں ایک مذہب کی طرح جاری و ساری ہو چکتا ہے اور اس کی خوب شہرت ہو جاتی ہے تو بعض سلاطین متاخرین اگرچہ اپنی اصل جبلت کی رو سے عیش و نشاط کی طرف راغب نہیں ہوتے اور نہ انھیں جبر و تکبر کا طریقہ مرغوب ہوتا ہے، لیکن محض آئین اسلاف کی رعایت سے اور کچھ رسم و عادت کے طور پر لکیر کی فقیری کرتے ہیں۔[1] اس حال میں کہ ان کا دل اس سے نفرت رکھتا ہے۔ وہ اکثر قوانین سلطانی کے باطل ہونے پر یقین رکھتے ہیں مگر چار و ناچار انھی کو نافذ کرتے ہیں۔ اگر ان کے دلوں کو چیر کر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ قوانین شریعت کے مقابلہ میں آئین ریاست ان کے نزدیک زیادہ قابل احترام ہے اور خدائے ذوالجلال کی محبت سے ان کی محبت مال و منال بڑھی ہوئی ہے اور خدا کے احکام کو غالب کرنے سے اپنے منصب سلطانی کا تحفظ زیادہ عزیز ہے۔ ایسے سلاطین کو ہم سلاطینِ مقادین کہتے ہیں۔

دوسری طرف وہ سلاطین ہیں جو خلقی طور پر عیش و نشاط اور تجبر و تکبر کے دلدادہ ہوتے ہیں اور ایمان کی حقیقت سے قطعی بے بہرہ۔ ان کی اس افتادِ مزاج کے ساتھ آئین اسلاف بھی سازگاری کرتا ہے تو ان کی عیاشی اور جباری کی شان دوبالا ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ آئین سلطانی کو خوب چمکاتے ہیں اور اس کی رونق کو حد کمال تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ دین شاہی کے مجتہد اور سنتِ سلطانی کے مجدد ہوتے ہیں۔ ہم ان کا امتیازی لقب سلاطین متمردین تجویز کرتے ہیں۔

سلطانِ مضل کی حیثیت اب یہاں سلطان مضل کی حیثیت کے تعین کے لیے چند اشارات پیش کیے جاتے ہیں۔

نکتۂ اول:۔ سلطانِ مضل کے رئیس المفسدین اور امام المبتدعین ہونے میں کیا شک ہے۔ اس کی ریاست دین کے حق میں زہر ہلاہل اور اس کی امامت کتاب و سنت کے حق میں تباہ کن ہے، لیکن چونکہ امور اسلامی میں مسلمانوں کو اسی سے پالا پڑتا ہے اس لیے

[1] سوسائٹی میں جو طور طریقے اور جو آئین و ضوابط مقبول ہو جاتے ہیں، ان کی قوت اتنی زبردست ہوتی ہے کہ "بادشاہ" تک ان کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ اس سے دو نکات اخذ ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ریاستی نظم کی اصلاح کے لیے رائے عامہ اور سوسائٹی کو اپنے ڈھب پر لانا چاہیے اور دوسرے یہ کہ باطل کا سدباب اس سے پہلے کرنے کی فکر کی جانی چاہیے کہ وہ سوسائٹی میں مقبول اور نافذ ہو جائے۔ اسی نکتہ کی بنا پر ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کاروں کی لغزشوں پر چشم پوشی کے بجائے انھیں درست کرنے میں چستی دکھانی چاہیے۔ (ن۔ ص)

اس کی تکفیر کا مسئلہ پیچیدہ ہے اور اس کے خلاف علمِ بغاوت اٹھانا یا اس کی اطاعت سے انکار کر دینا ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ پس محتاط[1] لوگوں کو خود بغی و خروج سے بچنا چاہیے اور اگر کوئی دوسرا اقدام کرے تو اسے ملامت بھی نہ کرنی چاہیے۔ جیسا کہ علمائے اہل سنت نے رافضیوں پر خود تلوار نہیں اٹھائی اور اگر علمائے ماوراءالنہر نے اسے روا ٹھہرایا تو اس پر اعتراض بھی نہیں کیا۔ سلاطین مضلین پر بغی و خروج کو ناجائز ماننے کے بعد ان کی سلطنت کو اقسامِ امامت ہی میں گننا لازم آتا ہے۔

نکتۂ دوم:۔ سلطان مقلد ملتِ اسلام سے نسبتہً زیادہ قربت رکھتا ہے، اس وجہ سے اس کی مخالفت میں بے باک نہ ہونا چاہیے۔ اس سے کشمکش کرنا اور اس کی اطاعت کا انکاری ہونا اگرچہ ظاہر شریعت کی رو سے موجب الزام نہیں ہے مگر مصلحت وقت کے خلاف ہے۔ ہاں اگر اس کی ریاست کو تہ و بالا کرنے سے خلافتِ راشدہ یا سلطنت عادلہ کا قیام متیقن[2] ہو تو قتل و مقاتلہ کا جھنڈا اٹھانا اور اس گمراہ مبتدع کو اقتدار سے ہٹانے کی کوشش کرنا اسلام اور فرزندانِ اسلام کے لیے مفید ہے، ورنہ بے نتیجہ شورش عوام و خواص سب کے لیے مضر ہے۔

۴۔ سلطنتِ کفر

یہاں سب سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ سلطنت کفر سے مراد خاص کافروں کی قائم کردہ حکومت نہیں ہے بلکہ اس اصطلاح سے ایسی حکومت مراد ہے جسے چلانے والے اپنے آپ کو مسلمانوں[3] میں شمار تو کرتے ہوں لیکن ان سے کھلے بندوں

---

[1] اس احتیاط کی کوئی حد بھی ہے کہ اسلام کا اجتماعی نظم پارہ پارہ ہوتا چلا جائے مگر دم سادھے لوگ بیٹھے رہیں۔ دراصل اسی احتیاط نے ہماری پچھلی تاریخ کو صدیوں تک وادیِ ضلالت میں بڑھتے چلے جانے کا موقع دیا۔ محتاط لوگ ریاست کی اصلاح کے لیے قوت کے استعمال کی اجازت اس وقت دیتے ہیں، جب نہ قوت پانے کا موقع رہتا ہے اور نہ قوت استعمال کرنے کا۔ آغازِ مرض میں علاج آسان ہوتا ہے، لیکن اس وقت تو یہ حضرات صبر کر کے بیٹھے رہنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ پھر جب مرض کا طوفانی دورہ شروع ہوتا ہے تو علاج کی اجازت دیتے ہیں بلکہ بعض تو عالم نزع طاری ہونے سے پہلے طبیب کو مریض کے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔ ہم اس احتیاط کے قائل نہیں، البتہ اسے صحیح مانتے ہیں کہ مرض کے مختلف مدارج میں مختلف تدابیر اختیار کرنی چاہئیں اور اسی اصول پر تعجب ہوتا ہے کہ اکبر اور محمد شاہ تک کے ادوار میں بھی صرف کلمۂ حق کے کہہ دینے کی اجازت ملتی ہے۔ حالانکہ یہ تو مرض کی انتہائی صورت ہے اور اس کے ازالہ کے لیے منظم تحریک کی ضرورت ہے (ن۔ص)

[2] یہاں متیقن سے مراد یہ ہے کہ اس کا ظن غالب ہو اور اس کا امکان ثابت ہو۔ ہم بھی اس بات میں شاہ صاحب سے متفق ہیں کہ کسی حالت میں انقلابی سرگرمیوں کی اجازت اگر دی جا سکتی ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ ریاست کی اصلاح ہو جانے کا امکان غالب ہو (ن۔ص)

[3] یہاں سے یہ نکتہ سمجھ لینا چاہیے کہ کسی فرد کے مسلمان کہلانے کے ساتھ اس بات کا امکان ہے کہ جس ادارے کو یا جس تحریک کو وہ چلا رہا ہو وہ کفر کا ادارہ یا کفر کی تحریک ہو۔ پھر اس نکتہ کی روشنی میں موجودہ مسلمانوں کو اپنے اجتماعی مشاغل پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ وہ اگرچہ مسلمان ہیں مگر کیا ان کی جماعتیں، ان کی تحریکیں، ان کے سیاسی ہنگامے، ان کے علوم و فنون، ان کے مدرسے، ان کی صحافت اور ان کے پیشے بھی مسلمان ہیں یا نہیں؟ (ن۔ص)

موجبات کفر ظاہر کرتے ہوں اور ان کی طرف سے احکام شریعت کی اتنی مخالفت اور دشمنی سرزد ہوتی ہو کہ ان پر کفر و ارتداد کا حکم ثابت ہو جائے۔ بعض لوگ جبلتہً ملحد مزاج اور زندیق طبع ہوتے ہیں اور بظاہر کلمۂ اسلام پڑھتے رہنے کے باوجود دل میں خدا و رسول اور دین و مذہب اور حساب و کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کی نگاہ صرف دنیوی نشیب و فراز پر رہتی ہے اور جاہ و جلال اور مال و منال کو کمال زندگی شمار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ذہین و ذکی وہی ہے جو انہی الجھنوں میں الجھا رہے اور جن کو ان دنیوی سربلندیوں سے دلچسپی نہ ہو اسے یہ احمق و غبی شمار کرتے ہیں۔ جو چیز دنیائے دوں کے حصول کا ذریعہ نہ بن سکے وہ ان کے ہاں لغو شمار ہوتی ہے۔ اور جس کوشش سے ناموری اور شہرت حاصل نہ ہو وہ بے سود گنی جاتی ہے۔ اس نظریے کے ماتحت یہ حضرات تمام انبیاء اور راہ حق کے دیگر رہنماؤں کو جاہ طلب ہوشیاروں میں شمار کرتے ہیں اور ان کے پیروؤں کو عقل کے کورے قرار دیتے ہیں، جو کہ انبیاء کی (نعوذ باللہ) دجل و فریب باتوں میں آگئے اور ان کے خوشنما وعدوں میں گم ہو گئے۔ ظاہر بات ہے کہ جن لوگوں کے دل میں ایسے خیالات جمع ہوں وہ اعمال و اقوال میں کتاب و سنت کی رعایت کو حماقت ہی سمجھیں گے اور عادات و معاملات میں مذہب و ملت کی قیود کو بے وقوفی ہی جانیں گے۔ عبادتوں کی تکلیف اٹھانا اور عجز و توکل کی راہ پر گامزن ہونا انھیں کب مرغوب ہو سکتا ہے۔

ایسے لوگ جب تخت سلطنت پر براجمان ہوتے ہیں تو آئین سلطانی کو جو بظاہر سلطنت کا دبدبہ بڑھاتا ہے، فراست و کیاست پر مبنی سمجھتے ہیں اور شرع ربانی کو مضرِ مقصد پا کر احمقانہ رسوم کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ اس عقیدے کے ماتحت شرع کے حق میں بدگوئی کرتے ہیں اور اپنے کارندوں کی نگاہوں میں اسے حقیر بناتے رہتے ہیں اور اس کی بیخ کنی کے لیے طرح طرح کے حیلے نکالتے ہیں۔ ہر معاملہ میں حکم سلطانی کو ترجیح دے کر حکم الٰہی کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ اپنے حکم کے فوائد اور حکم الٰہی کے نقائص ثابت کرنے میں خوب چرب زبانی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی ہر بات میں دین رب العٰلمین پر ایک چوٹ اور سنتِ سید المرسلین پر ایک تعریض ہوتی ہے۔ اور اپنی خرافات میں زور پیدا کرنے کیلئے وہ کبھی یا وہ گو شعرا کے اشعار اور علمائے جاہ طلب کی گھڑی ہوئی تمثیلات سے مدد لیتے ہیں اور کبھی فلسفیوں کے اقوال اور ملحدوں کے خیالات سے استدلال کرتے ہیں۔[2]

ایسے سلاطین کے متعلق بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سرکش کافروں اور زندیقوں اور مرتدوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے خلاف جہاد کرنا ارکان اسلام میں سے ہے اور ان کی تذلیل سید الانام کی سچی حمایت ہے۔ ان کی سلطنت قطعاً امامت حکمیہ کے زیر عنوان نہیں آتی۔ اور اس وجہ سے ان کی اطاعت کرنا شریعت کو ہرگز مطلوب نہیں ہے۔ اسی معنی پر عبادہ ابن صامت کی یہ روایت گواہ ہے کہ:۔

بایعنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی ان　　　　ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ حاکم وقت

[1] اس مقام پر شاہ صاحب نے سلاطین اسلام کش کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے ذرا موجودہ دور کے مسلمان اپنی شکلوں کو ملا کر دیکھیں، کیا ایک نقطے اور شوشے کا فرق بھی باقی رہ گیا ہے۔ ہاں ایک فرق ہے کہ وہاں سلطنت تھی اور یہاں غلامی ہے۔ (ن۔ص)

[2] گمراہوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ قرآن و حدیث کو سند مان کر احکام شرعی سے ٹھوس استدلال کرنے کے بجائے فلسفہ اور شاعری کے خرافات سے بات میں زور پیدا کرتے رہیں۔ (ن۔ص)

لا ننازع الامر اهلہٗ الا ان تروا کفراً بواحاً عندکم من اللّٰہ فیہ برہان — ہم امر کے اہل سے منازعت نہ کریں الا آنکہ اس سے ایسے کفر صریح کا صدور ہو جس کے متعلق تمہارے پاس خدا کی کھلی ہوئی حجت موجود ہو۔

بعض حالات میں جب سلطانِ مرتد کو یہ خیال لاحق ہو جاتا ہے کہ عوام جو سعی بلیغ انبیاء و مرسلین کی اطاعت میں دکھا سکتے ہیں اور ان کی اطاعت کو جس طرح اپنی انتہائی سعادت شمار کرتے ہیں، اس طرح کی اطاعت ملوک و سلاطین کی نہیں کر سکتے، بلکہ اطاعت سلاطین کو ذلت و ننگ سمجھتے ہیں تو وہ دعوائے سلطنت کے ساتھ دعوائے نبوت کو بھی شامل کر دیتا ہے تاکہ اہلِ خرد جاہ و مال کے لالچ میں آ کر اور سادہ لوح فلاحِ عاقبت کے خیال سے اطاعت کیش بنے رہیں یوں ایک جدید مذہب گھڑا جاتا ہے۔ مگر بات نبوت کے دعویٰ پر ہی ختم نہیں ہو جاتی، تجبر و تکبر کا قدم اور آگے اٹھتا ہے اور دعوائے نبوت میں خدائی کا ادعا بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر سلطان مرتد کا کفر فرعون کے کان کاٹتا ہے۔ ایسی ناپاک سلطنت کفر کا قیام بالکل غلبۂ کفار کی حیثیت رکھتا ہے اور مسلمانوں پر اس کا وجود یہ لازم کر دیتا ہے کہ وہ اس کے خلاف جہاد کریں اور اس طوفانِ فساد کو تلوار سے فرو کریں، یہ ممکن نہ ہو تو ایسے ناپاک دیس سے ہجرت کر جائیں، بشرطیکہ کوئی دارالاسلام موجود ہو۔

یہاں جو سلطنت کفر زیرِ بحث ہے ایک فرضی صورت ہے۔ اس کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ انہی دعوائے اسلام رکھنے والے سلاطین میں ایسا شخص بھی نمودار ہو سکتا ہے جو کافر، بے دین، ملحد و مرتد ہو۔ ایسے شخص کا استیصال عین اسلام کا تقاضا ہے اور ہر صاحبِ اقتدار کی اطاعت کرنا اور ہر جبار کے آگے گردن جھکا دینا دین کا مدعا نہیں ہے۔[۲]

---

[۱] یہ فیصلہ ایسے نظام حکومت کے متعلق ہے جسے چلانے والا کم از کم نام کا "عبداللہ" اور "محمد احمد" اور "محبوب علی" ہو۔ پھر معلوم نہیں کہ جہاں یہ نام کا اسلام بھی موجود نہ ہو وہاں کے مسلمان خالص حکومت کفر کو کیونکر قابلِ برداشت قرار دیتے ہیں اور اس کے کارندے بن کر کیسے اپنے تقویٰ کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ (ن)

[۲] کیا لوگوں نے رفتہ رفتہ ٹھیک اسی غلط طریقہ کو دین نہیں بنا لیا اور ان کا عمل "وَاتَّبَعُوا اَمْرَ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ" کی شکل نہیں اختیار کر گیا ہے۔ نصوص قرآنی کی کیسی غلط تشریحیں و تاویلیں بلکہ کھلی ہوئی معنوی تحریفیں ہیں جو اس طریقِ مجرمانہ کے جواز کے لیے اختیار کی گئیں اور تاریخ کی کیسی کیسی دور از کار تعبیریں ہیں جو کفار کی اعانت و اطاعت کو برحق ثابت کرنے کے لیے استدلال کے تھیلوں سے نکالی گئیں۔ کاش کہ اب بھی لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں اور اب بھی انہیں ہوش آ جائے کہ ابھی سنبھلنے کا وقت ہے۔ (ن۔ص)

نئی مطبوعات

روداد جماعت اسلامی حصہ سوم	عہ	نماز کی حقیقت	۴ر
دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات	عہ مجلد عہ	اسلام کی راہ راست اور اس سے انحراف کی راہیں	۱۰ر
زندگی بعد موت	ار	نبوت محمدی کا عقلی ثبوت	۳ر
لباس کا مسئلہ	۳ر	قرآن فہمی کے بنیادی اصول	۴ر